

محمد اصغر چودھری کی مزاح نگاری

Humor of Muhammad Asghar Chaudhry

خالد حسین، پی ایچ ڈی اسکالر، لاہور گیریشن یونیورسٹی، لاہور

of Urdu , Lahore -Khalid Hussain PhD Scholar, Dept
Garrison University, Lahore

ڈاکٹر گلشن طارق، ڈین فیکلٹی آف لینگویجز، لاہور گیریشن یونیورسٹی، لاہور

Dr. Gulshan Tariq Dean Faculty of Languages, Lahore
Garrison University, Lahore

Abstract

Among the writers who belong to armed services and write comedy Muhammad Asghar Ch possesses an important and prestigious position. He made the experiences of his military life a part of literature. While writing comedy Muhammad Asghar Ch employs different literary devices. One of these devices which he uses is caricature. This article covers different aspects of Muhammad Asghar Ch's art of comedy.

Key words: Humor, Satire, Military Environment,
Observations, Sense of Humor, Facts.

کلیدی الفاظ: مزاح، طنز، عسکری ماحول، مشاہدات، حس مزاح، حقائق

ہیومر (مزاح) اگرچہ گدگدی پیدا کرنے والی چیز ہے مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا
چاہیے کہ ہیومر جذبے سے خالی کوئی سلسلہ عمل ہے۔ سچا مزاح وہ ہوتا ہے جس میں سچا درد
انسانی موجود ہو۔ اسٹیفن لی کاک نے مزاح کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

”مزاح کیا ہے؟ یہ زندگی کی ناہمواریوں کے اس ہمدردانہ شعور کا

نام ہے جس کا فنکارانہ اظہار ہو جائے۔“ (۱)

اس سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ مزاح نگار کی حیثیت معاشرے کے نبض
شناس کی سی ہے۔ وہ اپنی دور رس نگاہوں سے زندگی کی ان ناہمواریوں اور مضحک صورتحال کو
دیکھ لیتا ہے جو عام انسانوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتی ہے۔ یہ صورتحال ہمارے سماج میں اس

وقت نمودار ہوتی ہے جب کوئی عمل ہماری توقعات کے برعکس رونما ہوتا ہے اور یہ عمل اپنی ناہمواری کے باعث مزاحیہ رنگ اختیار کر جاتا ہے۔ مزاح نگار اس سے محفوظ ہوتا ہے جب کہ طنز نگار کا رویہ اس کے برعکس ہوتا ہے اور وہ اسے ناپسند کرتے ہوئے تنقید کا نشانہ بناتا ہے۔ مزاح کی حس انسان میں فطری طور پر پائی جاتی ہے۔ نومولود بچہ اپنی ماں کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے۔ ماں بھی اپنی مختلف حرکات و سکنات کے ذریعے اس کے لبوں پر مسکان بکھیرنے کی کوشش کرتی ہے گویا انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی مزاح کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ انسان کی زندگی خوشی اور غم کے ملے جلے جذبات کا مجموعہ ہے۔ خوشی کی صورت میں وہ ہنسی کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے اور غم کی صورت میں اس کے چہرے پر افسردگی کا رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ ہنسی انسان کی بوجھل طبیعت کو ہلکا پھلکا اور خوشگوار بنا دیتی ہے۔ پروفیسر سسلی نے اپنی کتاب ”انجوائمنٹ آف لافز“ میں ہنسی کے تدریجی ارتقاء پر روشنی ڈالتے ہوئے خفیف تبسم، مسکراہٹ اور قہقہے کو ایک ہی کیفیت کے تین مختلف مدارج قرار دیا ہے۔ (۲) دراصل یہ تینوں عمل ہی انسان کے اندر چھپی ہوئی حس مزاح کی کیفیت کے آئینہ دار ہیں۔ ہنسی ایک ایسی چیز ہے جس کا وجود ہماری سوسائٹی کے ماحول کو خوشگوار بناتا ہے۔ یہ عام مشاہدے کی چیز ہے جب چند لوگ ہنس رہے ہوں تو قریب سے گزرنے والے راہگیر بھی ان کی ہنسی میں شامل ہو کر محفوظ ہوتے ہیں۔ ہنسی کا عمل ابتدائے آفرینش ہی سے اس کائنات میں موجود ہے۔ پال جانسن اپنی تحقیق میں لکھتے ہیں:

”دنیا کے ریکارڈ پر جو پہلی ہنسی ہے وہ دو ہزار قبل مسیح کی ہے جو حضرت سارہ کے چہرے پر آئی جب ان کے خاوند حضرت ابراہیمؑ کو خدا نے بڑھاپے میں باپ بننے کی بشارت دی۔ ماہرین لسانیات کہتے ہیں حضرت یعقوبؑ کے والد حضرت اسحاقؑ جب پیدا ہوئے تو وہ ہنس رہے تھے اس لیے ان کے نام کا مطلب ”قہقہہ“ ہے۔“ (۳)

یہ احساس مزاح اور اس کے مظہر یعنی تبسم، ہنسی اور قہقہہ ہی دراصل ہمیں اس سنجیدہ کائنات میں زندہ رکھنے کے ذمہ دار ہیں اور انہی کے سہارے ہم زندگی سے سمجھوتہ کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ہنسی ایک طرح سے ہمارے غموں کا علاج بھی ہے۔ جب انسان غمگین اور اُداس ہوتا ہے تو یہ ہنسی اور مزاح ہی ہیں جو ہمیں اس کیفیت سے باہر نکالتے

ہیں۔ ہنسی نہ صرف افراد کو باہم مربوط ہونے کی ترغیب دیتی ہے بلکہ ہر اس فرد کو نشانہ تمسخر بھی بناتی ہے جو سوسائٹی کے مروجہ قواعد و ضوابط سے انحراف کرتا ہے۔

مزاح عام مشاہدے کی چیز میں واقع ناہمواری کو خوبصورتی سے ابھار کر دکھانے، متوجہ کرنے اور ہنسادینے کا نام ہے اس ظریفانہ اظہار کے پیچھے ہمدردی کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے گویا آنسوؤں کو قہقہوں میں تبدیل کرنے کا نام مزاح ہے جبکہ طنز میں کسی خاص خامی یا خرابی یا ٹیڑھے پن پر چوٹ اور طنز کی جاتی ہے۔ طنز بنیادی طور پر ایسے باشعور، حساس اور درد مند انسان کے ذہنی رد عمل کے نتیجے کے طور پر وجود میں آتی ہے جو ماحول میں بے اعتدالیاں، کوتاہیاں، برائیاں اور کجیاں دیکھ کر تڑپ اٹھتا ہے اور ان پر چوٹ کرتا ہے محض مذمت کے لیے نہیں بلکہ اصلاح کے لیے۔ طنز میں چھن اور نشتریت ضرور ہوتی ہے مگر اتنی ہی جتنی کسی جراح اور ڈاکٹر کے نشتر میں۔ دراصل طنز و مزاح کا عمل ایک جراح کے عمل سے مشابہ ہے۔ طنز جراحات کے ذریعے ناسور میں زخم لگا کر فاسد مواد کو نکال باہر کرتا ہے اور مزاح اس پر مرہم کا پھایا رکھ دیتا ہے۔ ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ معاشرے کے جسم پر سماجی اور تہذیبی بے اعتدالیوں سے ابھرنے والے پھوڑوں کی اصلاح کا کام مزاح نگار طنز و مزاح سے کرتا ہے۔ طنز کے بارے میں ”آرتھر کوئسلر“ لکھتے ہیں:

”ہمارے اذہان زندگی کی بیزار کن یکسانیت اور بے رنگ تکرار سے اس قدر بے حس ہو چکے ہیں اور ہم زندگی کے ناسوروں کو دیکھ دیکھ کر ان کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ جب تک طنز نگار انہیں مبالغہ آمیز انداز سے پیش نہ کرے ہماری نگاہیں ان پر جمنے ہی نہیں پاتیں۔ پس طنز نگار کی جیت اسی میں ہے کہ وہ زندگی اور سماج کی ناہمواریوں کو یوں بڑھا چڑھا کر اور ایسے مزاحیہ انداز میں پیش کرے کہ ہم ان ناہمواریوں کی طرف متوجہ بھی ہو جائیں اور ہمیں طنز نگار کی یہ بات بُری بھی نہ لگے۔“ (۴)

اگر ہم اُردو نثر کے حوالے سے مزاح کا جائزہ لیں تو برصغیر میں اُردو نثر کی تاریخ آٹھویں صدی ہجری سے شروع ہوتی ہے۔ نثر کے یہ چھوٹے چھوٹے نمونے رسالوں کی صورت میں ملتے ہیں جن میں دکن اور گجرات کے فقراء اور اہل دی کے اقوال و امثال قلمبند

کیے گئے ہیں۔ ان نثری نمونوں سے اردو کی ابتدائی نثر کے نقوش واضح ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید ہندوستان میں اردو نثر کی ابتدا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

" شمالی ہندوستان میں اُردو نثر کی کتاب ”کر بل کتھا“ یا ”دہ مجلس“ محمد شاہی عہد میں فضلی نے لکھی۔ محمد حسین آزاد نے اسے اُردو کی پہلی نثری تصنیف شمار کیا ہے لیکن جدید تحقیق نے دکن کے بہت سے قدیم مخطوطات کو دریافت کر لیا ہے اور ”معراج العاشقین“ کی اشاعت سے اُردو نثر کے فروغ کی اولیت بھی دکن نے ہی حاصل کر لی۔ (۵)

برصغیر میں اٹھارویں صدی تک اُردو عام طور پر بول چال اور رابطے کی زبان تھی اس زبان میں قابلِ قدر ادبی سرمایہ تھا اگر کوئی ادبی سرمایہ تھا تو وہ صرف شعری ادب تک محدود تھا۔ نثر میں جو کچھ تصنیفات ملتی ہیں ان سب کا موضوع مذہب یا داستان گوئی تھا۔ ان موضوعات کی حدود میں نثر کو پوری طرح پنپنے کا موقع نہ مل سکا۔

انیسویں صدی عیسوی کے آغاز کے ساتھ فورٹ ولیم کالج کا قیام اُردو نثر کی ترقی میں اہم سنگ میل ثابت ہوا۔ اس ادارے کے مصنفین نے داستانوں اور مذہبی قصوں کے ساتھ معاشرت، تاریخ اور اخلاقیات جیسے موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں جس سے ہمارے نثری ادب میں خوشگوار تبدیلی آئی اور تنوع پیدا ہوا لیکن اس زمانے میں اُردو کے مقابلے میں فارسی کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ زیادہ تر شعراء فارسی میں ہی شاعری کرتے تھے۔ فارسی کو سماجی حیثیت اور مرتبے کی زبان سمجھا جاتا تھا۔ اس دور میں اُردو کی جو حیثیت تھی اس بارے محمد صلاح الدین لکھتے ہیں:

”تحریری سطح پر اُردو زبان کی عدم مقبولیت کا یہ حال تھا کہ اُردو کا پہلا اخبار ”جامِ جہاں نما“ جاری ہوا تو چند شماروں کے بعد اس کے مدیر نے اس اعلان کے ساتھ اس کی زبان فارسی کر دی کہ پڑھنے والے اُردو عبارت کا ذوق نہیں رکھتے فارسی تحریر چاہتے ہیں۔ اُردو زبان کی ترقی کا

دور اس وقت شروع ہوا جب ۱۸۳۵ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے فارسی کی سرکاری حیثیت ختم کر دی اور اُردو کو اس کی جگہ رائج کر دیا۔“ (۶)

فورٹ ولیم کالج کا ایک مقصد فارسی کی حاکمیت کو کم کرنا اور مسلمانوں کو اپنے ثقافتی محور سے ہٹانا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ فارسی مغل بادشاہوں کی درباری زبان تھی اور مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت پر اس زبان کے گہرے اثرات تھے۔ فارسی زبان کو ختم کرنے کا ایک مقصد مسلمان حکمرانوں کو نیچا دکھانا بھی تھا۔ یہ تو ایک الگ بحث ہے جہاں تک اُردو زبان کا تعلق ہے تو اُردو زبان و ادب کے فروغ میں فورٹ ولیم کالج کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ حامد حسن قادری لکھتے ہیں:

”اس میں کوئی شک نہیں فورٹ ولیم کالج نے اُردو کے تخلیقی ادب میں تصنیف و تالیف کا کوئی اہم کارنامہ سرانجام نہیں دیا اور ڈاکٹر گلکرسٹ نے کالج کے طلبہ کی تعلیمی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے زیادہ تر کلاسیکی زبانوں کی مشہور اور مقبول کتابوں کو ہی اُردو میں منتقل کرنے کی سعی کی، تاہم اس حقیقت کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں کہ گلکرسٹ نے اُردو نثر کا پہلا ادب پیدا کیا۔“ (۷)

فورٹ ولیم کالج کے علاوہ اُردو اخبارات نے بھی اُردو زبان کو لکھنے پڑھنے کی زبان بنا دیا۔ یہ دور اخبارات اور رسائل کی ترقی کے لحاظ سے بہت روشن اور تیز رفتار دور تھا۔ اخبارات زندگی کے تمام شعبوں کی نمائندگی کرتے تھے ان میں ادب کے ساتھ ساتھ معاشی، اقتصادی، تاریخی، سائنسی، تہذیبی اور معاشرتی موضوعات پر بے شمار مضامین شائع ہوتے تھے۔ اسی طرح انہوں نے ہر قسم کے موضوعات پر اطلاعات اور معلومات کے خزانے سے اُردو زبان کے دامن کو بھر دیا۔ بہت سے اُردو اخبارات جو اُردو زبان کی عدم مقبولیت کے باعث بند ہو گئے تھے دوبارہ سے اُردو میں شائع ہونے لگے۔ محمد صلاح الدین اس حوالے سے لکھتے ہیں:

”جام جہاں نما“ نے جو اُردو کی عدم مقبولیت کی وجہ سے فارسی میں نکلنے لگا تھا فارسی اخبار میں چار صفحات کا اُردو ضمیمہ شائع کرنا شروع کر

دیا۔ مولانا محمد حسین آزاد کے والد مولوی محمد باقر نے دہلی اُردو اخبار (۱۸۳۶ء) جاری کیا۔ اس کے ایک سال بعد سرسید کے برادر بزرگ سید محمد نے ”سید الاخبار“ نکالا اور یوں اُردو اخبارات تیزی سے نکلنے لگے ان اخبارات نے اُردو نثر کے ارتقاء میں زبان کو مانجھنے، صاف کرنے اور اس کی ژولیدگی کو دور کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ ”جام جہاں نما“ اور ”دہلی اخبار“ کے ذریعے اُردو میں رائج ہوئے۔“ (۸)

اُس دور میں اُردو نثر میں جہاں اور بہت سی اصناف رائج ہوئیں وہاں طنز و مزاح کو بھی فروغ حاصل ہوا۔ اُردو نثر میں مزاح کے ابتدائی نقوش اُردو کی قدیم داستانوں میں ملتے ہیں لیکن یہ مزاح محض فحش قصوں اور لطیفوں کے سوا کچھ نہیں۔ اُردو نثر میں مزاح کی باقاعدہ روایت خطوط غالب سے شروع ہوتی ہے غالب کے بعد مولوی نذیر احمد اور سرسید کے ہاں بھی مزاح نگاری کے نمونے ملتے ہیں جن میں تبسم زیر لب کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ اُردو نثر میں مزاح نگاری کا اس سے اگلا سنگ میل ”اودھ پنچ“ ہے۔ اودھ پنچ کے لکھنے والوں میں رتن ناتھ سرشار، سجاد حسین، مچھویگ، جوالا پرشاد برق، احمد علی شوق، تر بھون ناتھ، ہجر اور نواب سید محمد آزاد کے نام زیادہ مشہور ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ چل نکلا اور اودھ پنچ ہی کے پلیٹ فارم سے مہدی افادی، محفوظ علی بدایونی، خواجہ حسن نظامی، سجاد حیدر یلدرم، قاضی عبدالغفار اور ملا موزی جیسے مزاح نگار پیدا ہوئے۔ نثر میں طنز و مزاح کو رائج کرنے میں اس اخبار نے بہت بڑی خدمت سرانجام دی۔ اُردو نثر کے جدید دور میں جن ادیبوں نے عملی مذاق سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کی ان میں نمایاں نام عظیم بیگ چغتائی کا ہے لیکن شوکت تھانوی اور شفیق الرحمن بھی کہیں کہیں اس کا سہارا لیتے نظر آتے ہیں۔ پطرس بخاری نے مزاح نگاری میں ایک نیا انداز اور نیا اسلوب اختیار کیا۔ مرزا فرحت اللہ بیگ، رشید احمد صدیقی، ابن انشاء اور موجودہ دور میں مشتاق احمد یوسفی نے بھی مزاح نگاری کے میدان میں بڑا نام کمایا۔ افواجِ پاکستان کے مزاح نگار بھی ادب کی اس صنف کی آبیاری میں کسی سے پیچھے نہ رہے۔ کرنل محمد خاں اور شفیق الرحمن کا شمار بھی صفِ اول کے مزاح نگاروں میں ہوتا ہے۔ صدیق سالک کے ہاں بھی مزاح نگاری کے نمونے ملتے ہیں۔ انہی کی تقلید کرتے ہوئے پاک فضا یہ

کے محمد اصغر چودھری نے طنز و مزاح کی اس روایت کو آگے بڑھایا آپ کا تعلق اوکاڑا کے ایک کسان گھرانے سے ہے۔ محمد اصغر چودھری کا علمی و ادبی سفر ۷۰ء کی دہائی سے شروع ہوتا ہے جب پورے معاشرے اور تعلیمی اداروں میں نظریاتی بحث اور غیر نصابی سرگرمیاں عروج پر تھیں اور فکری لہر معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھی۔ ایسے ماحول نے ان کی تخلیقی صلاحیتوں کو جلا بخشی اور وہ ایک منجھے ہوئے مزاح نگار کے طور پر سامنے آئے۔ محمد اصغر چودھری نے فوج جیسے ادارے میں رہ کر طنز و مزاح جیسی مشکل صنف کا انتخاب کیا ہے اور مزاح نگاری کے اصولوں پر پورا اُترتے ہوئے ایک اچھے مزاح نگار ہونے کا لوہا منوایا ہے۔ انہوں نے ایک مخصوص شعبے اور مخصوص ماحول میں رہ کر مزاح کے پھول بکھیرے ہیں۔ ان کے مزاح میں ہر جگہ اور ہر سطح پر پاک فضائیہ کی زندگی کی چھاپ نظر آتی ہے۔ انہوں نے اپنے قلم کو گد گد آنے تک محدود رکھا اور گلا کاٹنے والی تلوار یا گھاؤ لگانے والے نشتر کے طور پر استعمال نہیں کیا پھر بھی ہر ذی شعور ان کے طنز و مزاح کی چھن ضرور محسوس کرے گا۔ ان کا یہ علمی و ادبی کام اُردو میں طنز و مزاح کی روایت کو مزید مستحکم کرے گا اور ان کی صلاحیتوں میں وقت کے ساتھ ساتھ مزید نکھار پیدا ہو گا اور اُردو ادب کے قارئین کو عمدہ اور خوبصورت اسلوب کی حامل طنزیہ و مزاحیہ تحریریں پڑھنے کو ملیں گی۔

”فضائیاں“ کے مضامین پاکستان ایئر فورس میں انکی آغازِ ملازمت سے لے کر اختتام تک پیش آنے والے واقعات، تجربات اور مشاہدات کا نچوڑ ہیں۔ مصنف نے اپنی عسکری زندگی کے معاملات کو اتنے خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے آغاز سے لے کر اختتام تک قاری کی دلچسپی قائم رہتی ہے۔ واقعات کا ایک تسلسل ہے جو کہیں ٹوٹنے کا نام نہیں لیتا اور بالآخر ان کی ریٹائرمنٹ کی تاریخ پر جا کر اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ انہوں نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات اور مشاہدات میں سچائی اور دیانتداری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ ہر واقعے کو قارئین کے سامنے اصل روپ میں ہی پیش کیا ہے، نہ ہی انہیں کہیں بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے اور نہ ہی واقعات کی سچائی اور تلخ حقیقتوں سے اپنے دامن کو بچایا ہے۔ جو کچھ دیکھا اُسے جوں کا توں قاری کے سامنے پیش کر دیا لیکن ان واقعات اور مشاہدات میں آپ کو مزاح کے ساتھ ساتھ طنز کی ہلکی سی چھن بھی محسوس ہوگی جس سے ان کی تحریر قاری کی طبیعت پر ظرافت کا ہلکا سا تاثر چھوڑ جاتی ہے۔ کتاب میں انہوں نے طنز و مزاح کے عمدہ

نمونے پیش کئے ہیں خصوصاً انہوں نے طنز و مزاح کے فرق کو جس طرح کتاب کے دیباچے میں قاری کو سمجھانے کی کوشش کی ہے میرے خیال میں اس سے آسان اور عمدہ اسلوب میں شاید ہی کوئی مزاح نگار تجزیہ کر سکے۔ وہ لکھتے ہیں:

”سڑک کے کنارے دیوار کی طرف منہ کر کے نظریں جھکائے بیٹھے
کسی شخص کو کہا جائے ”تم گندگی پھیلا رہے ہو“ تو ”طنز“ سمجھا جائے
گا۔ اگر کہا جائے ”جناب آپ تو زمین سیراب کر رہے ہیں اور یہ تو
بہت اچھا کام ہے“ مزاح ہو گا“

یہ کہنا کہ نظام زکوٰۃ کے نفاذ میں حکومت اور بینکوں کا فائدہ ہوا ہے
”طنز“ کے طور پر لیا جائے گا۔ اگر کہا جائے جمع شدہ زکوٰۃ کی منصفانہ
تقسیم سے غربت کو صرف پندرہ سال میں جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا ہے
”مزاح“ ہو گا۔“ (۹)

اپنی ملازمت کے آغاز میں طبی معائنے کے دوران انہوں نے شعبہ طب کے تمام
ماہر ڈاکٹروں کا تذکرہ طنزیہ و مزاحیہ انداز میں اتنی خوبصورتی سے کیا ہے کہ ان کے اسلوب کی
داد دینا پڑتی ہے۔ کتاب کے پہلے مضمون ”مسیحا کے حضور“ میں ناک، کان اور گلے کے ماہر
ڈاکٹر کے متعلق لکھتے ہیں:

”جب ہم ڈاکٹر صاحب کے حضور حاضر ہوئے تو عجیب سماں دیکھا۔
ڈاکٹر صاحب ہلکے ہلکے کھانس رہے تھے۔ کھانسی سے فرصت کے
لمحات میسر آتے ہی ایک دو ہلکی سی چھینکوں سے شغل بھی فرمالیتے۔
ہم نے سلام عرض کیا تو جواب میں خاموشی پائی۔ ڈاکٹر صاحب کے
ناک اور گلے کی صحت کا تو ہمیں علم ہو ہی چکا تھا۔ سلام کا جواب نہ پا کر
کان کی صحت کا پتا بھی چل گیا۔“ (۱۰)

محمد اصغر چودھری اپنے خوبصورت اسلوب کے ذریعے عسکری ماحول کی عکاسی اس
انداز سے کرتے ہیں کہ ان کی تحریروں میں ایک دلکش شگفتگی پیدا ہو جاتی ہے اور ان کا قلم
ماحول اور مناظر کے اتنے خوبصورت نقوش ابھار دیتا ہے کہ قاری بے اختیار ہو کر ان کا ہمنوا

بن کر ہنسنے لگتا ہے۔ ان کے ہاں طنز کی جو ہلکی سی لہر پیدا ہوتی ہے اس میں نشتریت زیادہ ابھرنے نہیں پاتی یہ لطیف طنز ان کی تحریروں میں برقی رو کی طرح دوڑتا ہوا نظر آتا ہے لیکن یہ صورت حال ہر جگہ قائم نہیں رہتی اور کہیں کہیں ان کا طنز شدت بھی اختیار کر جاتا ہے۔ محمد اصغر چودھری کے مزاح میں تبسم زیر لب کی کیفیت ہے یہی ایک اچھے مزاح نگار کی خوبی ہے۔

محمد اصغر چودھری ایک فوجی ہوتے ہوئے بھی ادب کا مکمل شعور رکھنے والے ایک لکھاری کے طور پر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ وہ طنز و مزاح کے اصل مقصد اور منصب سے پوری طرح واقف ہیں۔ انہوں نے فوج میں موجود اپنے سابقہ قبیلے کرنل محمد خاں، شفیق الرحمن اور صدیق سالک کی روش پر چلتے ہوئے اس بات کو یقینی بنایا ہے کہ فوج کی مصروف اور کٹھن زندگی میں رہتے ہوئے بھی ایک اچھا ادب تخلیق کیا جاسکتا ہے۔ ان کے کردار عسکری ماحول کی نمائندگی کرتے ہیں اور اپنی فطری ناہمواریوں کے باعث مزاحیہ رنگ اختیار کر جاتے ہیں۔ ان کے مزاح کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ واقعات کو کرداروں کے ساتھ نتھی کر کے ان کے اشتراک باہم سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کوشش کے ذریعہ وہ قاری کی حس مزاح کو تحریک دینے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور قاری کے دل و دماغ پر انبساط کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کہیں کہیں ان کے طنز کی کاٹ یا چھن بہت تیز ہے اور ان کا قلم گد گد آنے کے عمل میں سست روی کا شکار ہو جاتا ہے جس کے نتیجے میں ان کے ہاں طنز غالب آ جاتا ہے۔ یہ صورت حال اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ حقائق سے زیادہ قریب ہونے کے باعث مرض کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں جو معاشرے کے رگ و پے میں بلا کی تیزی اور شدت سے پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ ان کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ ان کی نظر صرف مشرقی ماحول کی ناہمواریوں پر ہی مرکوز نہیں رہی بلکہ مغربی تہذیب کو بھی اپنے طنز کی لپیٹ میں لیتے نظر آتے ہیں اپنے ایک مضمون ”خود اعتمادی“ میں مشرقی اور مغربی عورت کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”مغربی عورت نے ہمیشہ مشرقی عورت کے مخالف اطوار اپنائے اور اس پر فخر کرتی ہے کہ مادی ترقی میں کوئی اس کا ثانی نہیں مشرقی عورت سمٹی سمٹائی، شرم و حیا کا پیکر، تو مغربی عورت سوشل اور خود

اعتمادی سے پر (مغربی خود اعتمادی میں مشرقی شرم مکمل ناپید ہو سکتی ہے) مشرقی عورت زیادہ سے زیادہ کپڑوں میں ملبوس، لمبے فرائ، بھاری دوپٹے غرضیکہ جتنا کپڑا مل جائے لپیٹ لیا جائے کہ مصداق، تو مغربی عورت اختصار لباسی کا اس حد تک شکار کہ ضروری ستر پوشی کا لباس تلاش بسیار کے بعد ہی ملے۔ مشرقی عورت کا کفن سفید تو مغربی عورت نے سفید لباس کو جامہ عروسی کے طور پر اپنایا ہے۔ یہی ایک وقت ہے جب مغربی عورت سفید لباس کا بے تحاشہ اور غیر ضروری حد تک استعمال کرتی ہے۔ اتنا کپڑا لگایا جاتا ہے کہ پیمائش میں کفن سے بھی بڑھ جاتا ہے۔“ (۱۱)

محمد اصغر چودھری کا مزاح صرف ایک محدود ماحول کا ہی عکاس نہیں ہے بلکہ اس نے اپنے محدود ماحول کی چار دیواری کے باہر بھی بہت کچھ دیکھا ہے۔ اس کی نظر میں وسعت ہے۔ اگر وہ مشرقی ماحول کی ناہمواریوں پر نظر رکھتا ہے تو مغربی تہذیب بھی اس کے نوک نشتر کی زد سے نہیں بچ پاتی۔ اگرچہ ان کے مزاح میں سنجیدگی اور سلجھاؤ کا عنصر غالب ہے لیکن کہیں کہیں اس کا معیار مزاح کے دائرہ کار سے باہر بھی نکل جاتا ہے۔

کہتے ہیں جو شخص خود پر نہیں ہنستا اسے دوسروں پر ہنسنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان اپنی ذات کو سب سے مقدم رکھتا ہے اور اپنی خامیوں اور کمزوریوں کو دوسروں سے چھپاتا ہے۔ اگر اس کی ذات کے حوالے سے کوئی مضحک صورتحال رونما ہو تو وہ دوسروں کے سامنے اسے بیان کرنے سے اجتناب کرتا ہے۔ ورنہ تو ہر انسان کے ساتھ زندگی میں ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن میں سے کوئی نہ کوئی مضحک پہلو ضرور نکلتا ہے۔ اگر ہم پطرس کی مزاح نگاری کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود مصنف یا مصنف کا ہم راز ہے اور اسی لیے وہ زیادہ تر خود ہی کو مذاق کا نشانہ بناتے نظر آتے ہیں۔ اصغر چودھری کے مضامین میں بھی کہیں کہیں جو مضحک صورتحال پیدا ہوتی ہے اس میں وہ خود ہی مذاق کی عملی تصویر بن کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ وہ خود پر ہنستے ہوئے بھی توازن، اعتدال اور شخصی وقار کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ خود پر ہنسنا کوئی آسان بات نہیں یہ انسان کے اعلیٰ ظرف ہونے کی دلیل ہے اور یہ کام مزاح نگار ہی کر سکتا ہے۔ بعض لوگ خود پر ہنسنے وقت انسانی عظمت اور

وقار کا مظاہرہ کرتے ہیں گویا وہ کائنات کی کسی بڑی ناہمواری پر ہنس رہے ہیں۔ اصغر چودھری کی تحریروں میں اس کی مثالیں دیکھیے:

”ہماری نیند کا ایک خوبصورت پہلو یہ بھی ہے کہ ہم خود سوتے میں ایسے مترنم خراٹوں کا اہتمام کرتے ہیں کہ ہمیں بیرونی شور نہیں جگا سکتا۔ بارہا ہم اپنے ہی خراٹوں کے شور کی وجہ سے جاگے۔ دروغ بر گردنِ راوی۔ یہ بات ہمیں ہماری نیگم نے بتائی ہے۔ اس نے تو یہاں تک بھی کہا ہے کہ ہم سونے سے پہلے ہی خراٹا لے لیتے ہیں اور پھر خراٹے سننے کے لیے سوتے ہیں اور جب خراٹے کا شور زیادہ ہو جائے تو اس کی وجہ سے جاگ جاتے ہیں۔ نیگم کے عورت ہونے کے باوجود ہمیں ان کی اس بات پر اعتبار ہے البتہ اس بات سے اختلاف ہے جو وہ ہمیں کہتی ہے ”کسی ای۔ این۔ ٹی سپیشلسٹ کو دکھا کر اس کا علاج کیوں نہیں کروا لیتے۔“ (۱۲)

”والد صاحب کے نزدیک ہماری عقل ایک اُلّو کے برابر تھی یہ بھی ان کی اعلیٰ ظرفی تھی معیار عقل میں ہمارا مقابلہ کسی نامعقول گدھے سے بھی ہو سکتا تھا۔ گدھا اچھا بھی ہو سکتا ہے ہم اس بات پر خوش تھے کہ کم از کم اُلّو کے برابر تو تھے۔“ (۱۳)

محمد اصغر چودھری کا مزاح انتہائی سلیجھا ہوا ہے۔ انہوں نے فوج کی سنجیدہ زندگی میں بھی مزاح کے پہلو ڈھونڈ نکالے ہیں۔ وہ اپنی عسکری زندگی کے واقعات کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں کہ ان میں سے خود بخود مضحک صورتحال نمودار ہونے لگتی ہے۔ بعض اوقات وہ سنجیدہ باتوں کے درمیان کوئی نہ کوئی ایسی بات کہہ دیتے ہیں کہ پڑھنے والے ہونٹ از خود تبسم میں بھیگے چلے جاتے ہیں۔ ان کا اسلوب سادہ اور دل نشیں تاثرات کا حامل ہے۔ واقعات نگاری میں انہیں عبور حاصل ہے۔ وہ کہیں بھی اپنے موضوع سے نہیں ہٹتے اور نہ ہی ادھر ادھر کی ہانک کر اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں۔ روانی اور سلاست کے ساتھ موضوع کی مطابقت سے خوبصورت مزاح لکھتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی تحریریں اُردو کے مزاحیہ ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوں گی۔

حوالہ جات

- ۱۔ وزیر آغا (ڈاکٹر)، اردو ادب میں طنز و مزاح، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۲۰۰۷ء، ص ۴۰
- ۲۔ ایضاً، ص ۲۸
- ۳۔ خالد حسین، راقی، اردو صحافت میں طنز و مزاح، مشمولہ: سنڈے میگزین ”زندگی“، روزنامہ پاکستان، لاہور: ۱۳ جولائی ۲۰۱۲ء، ص ۱۲
- ۴۔ وزیر آغا (ڈاکٹر)، اردو ادب میں طنز و مزاح، محولاً بالا، ص ۴۹-۵۰
- ۵۔ انور سدید (ڈاکٹر)، اردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۳ء، ص ۲۲۱-۲۲۲
- ۶۔ محمد صلاح الدین، اُردو کی ترویج میں صحافت کا کردار، مشمولہ: اردو زبان۔ مسائل اور امکانات، شوکت علی، سید، لاہور: خزانہ علم و ادب، ۲۰۰۴ء، ص ۱۵۰
- ۷۔ حامد حسن، قادری، داستانِ تاریخ اردو، کراچی: اردو اکادمی سندھ، ۱۹۶۶ء، ص ۹۷
- ۸۔ محمد صلاح الدین، اُردو کی ترویج میں صحافت کا کردار، مشمولہ: اردو زبان۔ مسائل اور امکانات، شوکت علی، سید، محولاً بالا، ص ۱۵۰-۱۵۱
- ۹۔ محمد اصغر، چودھری، فضائیاں، لاہور: جدت پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء، ص ۱۱
- ۱۰۔ ایضاً، ص ۲۷
- ۱۱۔ ایضاً، ص ۶۸
- ۱۲۔ ایضاً، ص ۵۵
- ۱۳۔ ایضاً، ص ۱۰۴